ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

نثار علی
پی ایچ ڈی اسکالر شعبہ اردو سرحد یونی ورسٹی پشاور
شجاعت علی
ایم فل اسکالر شعبہ اردو سرحد یونی ورسٹی پشاور
ڈاکٹر سید اشفاق حسین بخاری
سابق صدر شعبہ اردو قراقرم یونی ورسٹی گلگت

اردو انشائیہ کا اسلوب: ایک تجزیہ

Nisar Ali
PhD Urdu research scholar, Sarhad University Peshawar
Shujaat Ali
M.phil Urdu research scholar, Sarhad University Peshawar
Dr.Ashfaq Hussain Bukhari
Former chairman Deptt; of Urdu Karakurram University Gilgit.

An Analytical study of Urdu Insha'ya

The focus of the Insha'ya is on prose. Therefore, the importance of his style increases as the style is the essence of the prose and also of the personality. Regarding the styles of Insha'iya, it should be noted that the styles of Insha'iya like other genres also have their own specific requirements which are also unique in the sense that they are specific only to Insha'iya. The genre of Insha'iya is borrowed from the West like the other genres of Urdu, so the style of Insha'iya should be basically the same as that adopted in the West. After metaphor, simile, composition, imagery, etc. can also play a very important role in making prose creative, but all these are technical aspects of good prose.

Keywords: *Urdu Insha'ya, Style, specific requirements, metaphor, simile, composition, imagery.*

محمد حسن عسکری اپنے مضمون "اسالیب بیان اور ہمارے ادیب" میں لکھتے ہیں:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"کسی زبان میں جو اسالیبِ بیان اب تک ایجاد ہوچکے ہیں ان کی خوبیاں اور خامیاں مستقل بالذات چیزیں نہیں ہیں۔ "(۱)

اچھا اور کار آمد اسلوب وہ ہے جو ہمارے طرزِ احساس سے پیدا ہوا ہو اور اسی کا ساتھ دے سکے بُرا اسلوب وہ ہے جو ظاہر میں کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ معلوم ہو مگر ہمارے تجربے کو اصل شکل میں پیش کرنے یا اس کی قلب ماہیت کرنے کے بجائے اسے مسخ کر کے رکھ دے اور اس طرح نئے تجربات کا راستہ روک دے، یا یوں کہیے کہ ہمیں خود اپنی ہستی کو سمجھنے کی اجازت نہ دے۔ اس قسم کے ازکار رفتہ اسالیب خود ہماری شخصیت انفرادی شخصیت اور اجتماعی شخصیت دونوں کو کچل سکتے ہیں.

جب کہ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"یہ درست ہے کہ معانی اور بیان کی کچھ خصوصیتیں ہیں جن کا لکھنے میں دھیان رکھنا پڑتا ہے صرف و نحو کی کچھ پابندیاں ہیں لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ محض ان باتوں کا لحاظ رکھنے سے اسلوب پیدا نہیں ہو سکتا یعنی اس معنی میں بھی جہاں وہ مہارتِ تحریر سے عبارت ہوتا ہے میرے خیال میں تو اعلیٰ درجے کے فن کار صرف و نحو اور معانی و بیان کی پابندیوں اور حدود کو توڑ سکتے ہیں اور اُس کے باوصف وہ اسلوب بھی اپنی تحریر میں پیدا کر سکتے ہیں جو مقصودِ فن ہے۔ "(۲)

انشائیہ کے ضمن میں بنیادی نکتہ ملحوظ رہے کہ یہ خالص نثر کی صنف ہے۔ خالص نثر کی اُن معنی میں کہ اگر چہ ڈرامہ اور قصہ کہانی بھی نثری اصناف ہیں مگر کسی زمانہ میں یہ منظوم بھی رہی ہیں۔ خیر یہ تو عام دلچسپی کی چیزیں ہیں اور شعر میں ان کا بیان ایسا تعجب خیز نہ ہونا چاہیے، لیکن ایک زمانہ میں تو طب فلسفہ، دینیات اور تصّوف جیسے دقیق اور علمی موضوعات پر بھی منظوم صورت میں اظہارِ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اور تو اور، گزشتہ صدی کی صحافت میں تو بعض اوقات خبریں بھی منظوم ہوا کرتی تھیں۔ الغرض آج نثر سے مخصوص شاید ہی کوئی ایسی صنف یا موضوع ہو جسے کسی نہ کسی وقت میں منظوم نہ لکھا گیا ہو۔ اس سے ان کی اہمیت کم کرنی مقصود نہیں، نہ ہی ہمیں نثری ادب میں متعین ان کے مقام کو ٹھیس پہچانی ہے۔ صرف یہ امر اُجاگر کرنا ہے کہ آج کی نثری اصناف میں سے شاید ہی کوئی ایسی صنف ملے جسے صرف نثر مخصوص قرار دیا جاسکے، یوں کہ نثر کے بغیر اس کی شناخت ختم ہو جائے جب کہ ان سب

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے برعکس انشائیہ ہی ایک ایسی صنف ہے جو سو فیصد نثری صنف ہے۔ یعنی انشائیہ اگر انشائیہ ہے تو اس صورت میں جب وہ نثر میں ہے۔ منظوم ہو کر وہ انشائیہ کے سوا باقی سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں صرف اُس ایک امر کی بنا پر ہی انشائیہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے یہ واحد خالص نثری صنف ہے اس لئے ایک مشہور انگریزی نقاد کہتا ہے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے؛

INDEED A GOOD ESSAY IS A SONATA IN PROSE

انشائیہ کا سارا دارومدار نثر پر ہے اس لئے اس کے اسلوب کی اہمیت کئی گنا پڑھ جاتی ہے کہ اسلوب نثر کا جوہر بھی ہے اور شخصیت کا بھی۔ اس لئے اسلوب کو محض اظہار وابلاغ سے مشروط کر دینا اسے محدود کر دینے کے مترادف ہے،۔ اسلوب کی اپنی ایک جمالیات ہے کہ لفظ موضوع کی "پرزم" سے متنوع رنگوں میں منعکس ہو کر قاری کے اعصاب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگرچہ انشائیہ کی تکنیک اور مقاصد کے بارے میں ناقدین میں عمومی اتفاق نہیں پایا جاتا لیکن جہاں تک اس کے اسلوب کا تعلق ہے، سبھی لکھنے والوں نے اس امر کی توثیق کی ہے کہ انشائیہ کے اسلوب میں لطافت اور شگفتگی ہونی چاہیے۔ لطافت ایسی کہ انشائیہ مبتذل نہ ہو جائے اور شگفتگی ایسی کہ مزاح نہ ہونے کے باوجود تحریر فرحت بخش ہو. اور ظاہر ہے کہ یہ آسان کام نہیں۔ چنانچہ بعض اوقات انشائیہ محض اسی وجہ سے ناکام ثابت ہو جاتا ہے کہ بات کہنے کے باوجود انشائیہ نگار کو بات کہنے کا سلیقہ نہ تھا۔

انشائیہ کے اسلوب کے ضمن میں یہ اساسی حقیقت ملحوظ رہے کہ دیگر اصناف کی مانند کی انشائیہ کے اسلوب کے بھی اپنے مخصوص تقاضے ہیں جو اس لحاظ سے منفرد بھی ہیں کہ یہ صرف انشائیہ سے ہی مخصوص ہیں مثلاً انشائیہ کے اسلوب میں افسانہ یا مقالہ نہیں قلم بند کیا جا سکتا ہے کیونکہ انشائی اسلوب ان دونوں سے مخصوص فنی مقاصد کی بجا آوری کا اہل نہیں ہے کہ یوں افسانہ انشائیہ تو نہ بنے گا لیکن افسانہ بھی افسانہ نہ رہے گا۔ اسی طرح عملی مقالات یا طنزیہ اور مزاحیہ مضامین کو انشائیہ کے اسلوب میں قلم بند کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم انہیں انشائیہ کی حدود میں لے آئے ہیں ویسے اسلوب کا یہ معاملہ کچھ یک طرفہ سا محسوس ہوتا ہے۔ انشائیہ کے اسلوب میں جو چمک ملتی ہے اس کی بناء پر دیگر اصناف کے اسلوب سے بھی بقدر ظرف استفادہ کیا جا سکتا ہے، لیکن سلیقہ اور احتیاط کے ساتھ۔۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی یا فنی چُوک کے نتیجہ میں انشائیہ کا اسلوب اس رس سے محروم ہو جائے گا جسے اس کا جوہر سمجھا جاتا ہے اور جس کے بغیر انشائیہ محض ایک روکھا پھیکا نثر پارہ بن کر رہ جاتا ہے۔

میں انشائیہ متنوع مقصد میں سے جسے اہم ترین گردانتا ہوں وہ ہے اس کے لطیف اسلوب کے مخصوص حسن کاری! اس لئے اچھی نثر کی رسیہ قارئین کے لئے انشائیہ کا مطالعہ لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن لطیفہ یہ ہے کہ عام قارئین بالعموم انشائیہ کے نثر کو اچھی نثر نہیں سمجھتے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انشائیہ میں افسانوی اسلوب سے جنم لینے والے ایمائی کیفیات نہیں ہوتیں۔ اس طرح تاثراتی مضامین کے مانند اس میں جذبات سے نہیں کھیلا جاتا۔ ڈرامہ کے مکالمات کی مانند اس میں ہیجانی کیفیت نہیں پیدا کی جاتی۔ نہ مقالہ کا استدلال، نہ مضمون کا عقلی رویہ، نہ ڈرامہ کا سسپنس، نہ داستان کا تحیّر۔۔۔۔۔ لیکن یہ سب نہ ہوتے ہوئے بھی انشائیہ کے اسلوب میں یقیناً "چیزے دیگر" ہوتی ہے چنانچہ لطافت، شگفتگی، حس لطیف، رمز وایما، غیر رسمی انداز، خوش طبعی یہ سب کچھ اس کے اسلوب کے مختلف عناصر ہیں اور ان ہی کے فن کارانہ امتزاج سے انشائیہ کے مخصوص اسلوب کی تشکیل ہوتی ہے اس کے باوجود بالعموم انشائیہ کی نثر پر اعتراضات کیے جاتے ہیں اور اسے غیر معیاری، خام یا غیر تخلیقی قرار دیا جاتا ہے۔ بری نثر لکھنے والے انفرادی انشائیہ نگاروں کی مثالوں سے قطع نظر، جہاں تک انشائیہ کے اسلوب کی مخصوص انداز کا تعلق ہے تو اس ضمن میں یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ انشائیہ میں اسلوب کی لطافت اور تہذیبِ الفاظ کا اپنا معیار ہے۔ یہ معیار چوں کہ انشائیہ کے فنی تقاضوں کے عین مطابق ہے اس لئے یہ داخلی ہے اور ان معنوں میں خود ساختہ بھی کہ یہ معیار خارج سے نہیں نافذ کیا جاتا بلکہ اس کے اسلوب کے مخصوص دل آویزی انشائیہ کی اپنی لطافت اور مخصوص تہذیب کی پیداوار ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی اسلوب کی مخصوص خوشبو کا تعلق ہے تو یہ ہر گز بدیشی نہیں۔ اس ضمن میں سجاد باقر رضوی کی یہ رائے بھی قابلِ غور ہے:

> "صنف انشائیہ اردو کی اور کئی اصناف کی طرح مغرب سے مستعار ہے لہذا اسلوب انشائیہ کے سلسلے میں بنیادی طور پر وہی موقف ہونا چاہیئے جو مغرب میں برتا گیا ہے، اور اس کا اسلوب محظ یہ ہے کہ اس کی ایک ابتدا اور ایک انتہا ہو جس سے ایک وحدت پیدا ہو سکے۔ باقی کام لکھنے والے کی بصیرت کا ہے لہذا اس کے اتنے ہی اسلوب ہوں گے جتنے لکھنے والے۔"(۳)

انشائیہ میں اچھے اسلوب کی چند مثالیں پیش ہیں۔

ا۔"یہ سوال کتنا عجیب ہے کہ مجھے کون لوگ پسند نہیں ہیں؟ جس طرح آپ کو یہ کہنے کا پورا حق ہے کہ آپ کئی لوگوں کو پسند کرتے ہیں بس اسی طرح مجھے بھی یہ بتانے کا پورا حق حاصل ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو میں ناپسند کرتا ہوں۔ گھبرایئے نہیں میں آپ سے ہرگز یہ نہ کہوں گا کہ میں آپ کو پسند نہیں کرتا۔ فی الحال اسے صیغہ ءراز میں سمجھیئے اور صرف اتنا سن لیجئے کہ میں کن لوگون کو پسند نہیں کرتا اور کیوں؟ یوں تو سولہ آنے میرا ذاتی معاملہ اور میری اپنی پسند وناپسند کا مسئلہ ہے جس سے اگر آپ متفق نہ ہوں تو تب بھی مجھے اطمینان کے لئے اتنا ہی کافی ہو گا۔"

("ناپسندیدہ لوگ":احمد جمال پاشا)

۲۔ بعض مثالی ہیرو ایسے بھی ہوتے ہیں جو بے وقت یا قبل از وقت صفحہ ءارض پر نمودار ہوتے تھے اور فکر و شعور کے عرفان کی نا فہمی اور بلا خیز روشنیِ طبع کی وجہ سے وہ خود آپ اپنے شکار ہو جاتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسے بر گزیدہ ہیرو کو اربابِ قضا و قدر جلد از جلد عالم ہستی سے عالم نیستی میں واپس کر دیتے ہیں۔ مثالی ہیرو کا انجام خواہ یہ زائیدہ قلم کار ہو یا پروردہ قدرت عموماً المیہ ہوتا ہے، اپنی رہنمائی کے باوجود مگر یہ دستِ فنا سے محروم رہتا ہے۔ مثالی ہیرو کے المیہ کا یہی رُخ طرب ناک اور درخشاں ہے۔ اس کی وجہ سے اس کی ہیروازم کلاسیکی بن جاتی ہے۔"

("ہیرو":حسنین عظیم آبادی)

۳۔ میں ایک جوان آدمی ہوں لیکن اس کے ساتھ اب سرکاری ملازم ہوں اس لئے جوانی کی آڑی ترچھی اداؤں سے ڈرتا ہوں، اگرچہ میں عمر کی اس منزل سے گزر چکا ہوں جب تاج محل پر نظم پڑھ کے گھنٹہ گھر کو توڑ دینے کو جی مچلتا تھا، لیکن آخر بشر ہوں۔ کبھی نہ کبھی جی چاہتا ہے کہ سماج کو بدل دوں۔ جوانی اور سماج کا چولی دامن کا بیر ہے۔ جوانی سماج کی دشمن، سماج جوانی کا۔ مگر دونوں ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔"

("تذکرہ جوانی کا":صلاح الدین حیدر)

۴۔ دل مسجد ہوتا ہے، مندر ہوتا ہے یا کعبہ ہوتا ہے، معلوم نہیں کیا ہوتا ہے۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ ہوتا ہے۔ جو چیز جتنی اہم ہوتی ہے اتنا ہی اس کے وجود کو ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ خدا کو ڈھونڈوں تو نہیں ملتا۔ محسوس کرو تو شاہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک! دلیل دو تو بے معنی، اہمیت نہ دو تو سم قاتل، ہر چیز کا محور ایک۔"

("بے بس":لبنیٰ وائیں)

دیگر اصناف میں لکھنے والے کو اس صنف کے مخصوص مزاج کی وجہ سے خاصی سہولت رہتی ہے مثلاً افسانہ نگار اگر اچھے اسلوب میں افسانہ نہ بھی لکھے تو بھی واقعات یا کرداروں کی وجہ سے اس کا افسانہ پڑھا جاسکتا ہے لیکن انشائیہ نگار کو ایسی کوئی سہولت نہیں۔ اسے نادلائل سے کام لینا ہے اور نہ تاثرات سے، نہ کہانی سنانی ہے نہ کردار نگاری کے جوہر دکھانے ہیں، بلکہ اسے تو بات کو اس انداز سے کہنا ہے گویا وہ کوئی بات ہی نہیں کر رہا۔ اس لئے اس کا سارا زور اسلوب پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات انشائیہ نگار عام زندگی کی ان چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم باتوں کو لیتا ہے اور انہیں ایک ایسی نئے یا انوکھے زاویے سے دکھاتا ہے کہ قطرہ میں دجلہ دکھانے والی بات بن جاتی ہے، اگرچہ اس مقصد کے لئے دیدہ بینا کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن اظہار کے لئے اسلوب بھی وسیلہ بنتا ہے۔ بڑے یا دلچسپ موضوع پر اچھی تحریر اسی بنا پر آسان ہے کہ یہاں خود موضوع بھی لکھنے والے کی مدد کرتا ہے لیکن انشائیہ نگار جب غیر اہم چیزوں کے بارے میں یوں گفتگوں کرتا ہے گویا وہ کوئی گفتگو ہی نہیں کر رہا، یا نیم سنجیدہ ہو کر سنجیدگی کی بات کرتا ہے، یا بھولا بن کر دانائی کی بات کرتا ہے تو یہ سب صرف اسلوب کی بنا پر ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

انشائیہ کے اسلوب کے ضمن میں جن غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے ان میں سے سر فہرست یہ ہے کہ انشائیہ کو بالعموم مضمون سے خلط ملط کرتے ہوئے مزاحیہ، طنزیہ یا پھر تاثراتی مضمون قسم کی شے سمجھ لیا جاتا ہے جو کہ قطعی غلط ہے۔ مضمون ایک عمومی اصطلاح ہے، نہ ہی اپنی انفرادی حیثیت میں مضمون کوئی جداگانہ صنف ہے۔ مضمون کی کئی اقسام ہیں مگر مضمون بذاتِ خود کوئی قسم نہیں ہے۔ اسی طرح مزاحیہ یا طنزیہ مضمون کی منصوبہ بندی اور ادبی مقاصد قطعی طور سے انشائیہ کے مقابلہ میں جداگانہ نوعیت رکھتے ہیں۔ مزاحیہ مضمون کا اساسی مقصد تفننِ طبع یا دل لگی ہے۔ مضمون کے موضوعات اور اسلوب دونوں سے شگفتگی پیدا کی جاتی ہے، گو زندگی کی ناہمواری کردار کی کجی اور افراد کی بوالعجبی پر ہنسا جاتا ہے لیکن یہ ہنسی تحقیر یا استکراہ کے بنا پر نہیں ہوتی بلکہ مقصد صرف "ٹک دل شاد کیا" سے زیادہ نہیں ہوتا۔ جس طرح بعض لوگ اپنی خامیوں پر بھی ہنسنے کی اہلیت رکھتے ہیں اسی طرح بعض مزاح نگار زندگی میں جن اشیاء، وقوعات یا افراد سے پیار کرتے ہیں ان پر ہنسنے کی استطاعت بھی رکھتے ہیں، جب کہ پطرس ایسے مزاح نگار تو خود پر بھی ہنسنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

اس کے برعکس طنز عموماً نفرت، حقارت یا استکراہ کی بناء پر جنم لیتی ہے۔ طنز نگار کی ہنسی کا سرچشمہ تلخی سے پھوٹتا ہے۔ وہ تلخی جو ناپسندیدہ کو پسندیدہ میں تبدیل نہ کر سکنے کے احساس سے پیدا ہوتی ہے۔ مزاح نگار کا رویہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

دوسروں کو ہنسی میں شریک کرنے کا ہوتا ہے جب کہ طنز نگار دوسروں پر ہنستا ہے۔ اس لئے اسے دوسروں کو اپنی ہنسی میں شریک کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ طنز نگار معاشرے کی ناہمواریاں دور کر کے افراد کو سیدھا کرنا چاہتا ہے لیکن تنک مزاجی کی بناء پر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو کر طنز سے چٹکیاں کاٹتا ہے۔

تاثراتی مضمون کا ایک زمانہ میں خاصہ چرچا تھا۔ اسے ادب میں حسن کاری کی تحریک اور اسلوب کے جمالیاتی پہلوؤں پر ضرورت سے زیادہ دینے کہ دور اختتام کی یادگار قرار دیا جاسکتا ہے۔ سستی جذبتیت کے پیرایہ میں مصنوعی قسم کا جوش پیدا کر کے قارئین میں بھی جذباتی تحریک پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کیونکہ اس مقصد کے لئے اسلوب پر ضرورت سے زیادہ انحصار کیا جاتا تھا، اس لئے فن کاری کی شعوری کاوش تاثر کو مجروح کر دیتی۔

الغرض مضمون کے ہر موضوع کا کوئی مقصد ہے جس سے اس کا دائرہ کار متعین ہوتا ہے اور یہ مقصد اور دائرہ کار ہی مل کر انشائیہ کو سب سے جداگانہ بنادیتے ہیں۔ ان امور پر بطور خاص توجہ نہیں دی جاتی اس لئے انشائیہ کے بارے میں یہ عمومی غلط فہمی ملتی ہے کہ یہ کوئی باضابط صنف نہیں اور یہ مضمون اور اس کی جملہ اقسام کے مترادف ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ مضمون اور اس کی دیگر اقسام سے انشائیہ کے مقاصد تکنیکی لوازم اور اسلوب قطعی طور سے ممتاز اور منفرد ہیں۔

اس ضمن اور یہ امر بطور خاص توجہ چاہتا ہے کہ مزاح یا طنز تحریر کا ایک انداز ہے جس طرح ایک تحریر انگیخت کے لئے جذباتی یا تاثراتی ہوسکتی ہے اسی طرح تفنن کے لئے مزاحیہ اور اصلاح "کے لئے طنزیہ ہوسکتی ہے۔ یہ وصف صرف نثر سے ہی مخصوص نہیں بلکہ میں تو اس حد تک جانے کو تیار ہوں کہ صرف انشائیہ ہی خالص نثری صنف ہے۔

اسی ضمن میں تخلیق اور تخلیقی نثر میں جو فرق ہے اسے بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ افسانہ، ناول، ڈرامہ یا شاعری کی مانند انشائیہ اس لئے تخلیق نہیں کہ باقی سب میں لکھنے والا نامعلوم سے معلوم کا سفر طے کرتا ہے، ایسا سفر جو خالی جھولی سے شروع ہوتا ہے۔ تخلیقی عمل لکھنے والے کو تخلیق کے ثمر سے جھولی بھر کر مالا مال کر دیتا ہے، ایسی تخلیق جو عصری ہوتے ہوئے راہ نما بھی ثابت ہوسکتی ہے، اسی لئے تخلیق ذہن کے عمومی سفر کی روداد قرار پاتی ہے کہ لکھنے والا "لا" سے آغاز کر کے تکمیل کی منزل تک پہنچتا ہے مگر انشائیہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ اس میں صرف موجود کو ایک نئے زاویہ سے دیکھنے کی کوشش کی جاتی، یوں کہ دیکھنے کے اس عمل اور پھر اس سے حاصل کردہ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

نتائج قاری کے لئے دلچسپ اور پُر لطف ثابت ہوں۔ اس دلچسپی اور لطف کا انحصار خود انشائیہ نگار کی شخصیت اور تا زگی فکر پر ہے۔ اگر اس کے پاس اپنے قاری کو متاثر کرنے والی شخصیت اور تازگی فکر سے جنم لینے والی منفرد سوچ کے نئے راویے ہیں تو یقیناً اس کے پاس کا انشائیہ دلچسپ اور پُر لطف ہو گا لیکن اس کے باوجود انشائیہ نگار کے مقاصد محدود ہی رہتے ہیں اور اسے افسانہ یا شعر کا نظم البدل نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اسی لئے اچھے افسانہ ناول یا پُر تاثر شعر کے مطالعہ سے جو ایک بھرپور تجربہ اور توانا تریں جمالیاتی کیفیات سے گزرنے کا احساس ہوتا ہے تو کسی بہترین انشائیہ کے مطالعہ سے بھی قاری ترفع سے نابلد رہتا ہے۔

اسی طرح اچھی تخلیق جس طرح سے کیتھارسس کر کے قاری کو نفسی آسودگی بخش سکتی ہے، انشائیہ اس سے بھی محروم ہے۔ لیکن انہیں انشائیہ کی خامیاں یا کوتاہیاں نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ تخلیق نہ ہونے کی بناء پر یہ سب انشائیہ کے دائرہ کار میں آتا ہی نہیں اس لئے انشائیہ سے ان سب کی توقع بے سود ہو گی۔ یہ تو صرف اس امر کو اُجاگر کرنے کے لئے لکھا گیا کہ اگرچہ انشائیہ اپنے داخلی نظام اور محدود مقاصد کی بناء پر تخلیق کا مرتبہ نہیں پا سکتا لیکن انشائیہ نگار تخلیق نثر لکھ کر انشائیہ کو اس کی عام سطح سے بلند کر کے کسی حد تک اس فضائے تخلیق سے روشناس کرا سکتا ہے جو تخلیق کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔

اسلوب قلم کا اور قاری کے ذہن کو ایک ہی فریکونسی پر لا کر اظہار اور بلاغ کے عمل کی تکمیل کرتا ہے اس لئے کسی بھی تحریر (قطع نظر اس سے وہ تخلیق ہے یا نہیں) کے لئے اسلوب اس برقی رو جیسا قرار پاتا ہے جس کے بغیر سوئچ اور بلب دونوں ہی بے کار ثابت ہوتے ہیں۔ ادھر انشائیہ نگار کو افسانہ اور ناول میں اظہار کی وہ سہولتیں بھی حاصل نہیں جن کی بناء پر افسانہ اور ناول لکھنے والے کا کام خاصا آسان ہو جاتا ہے اسی لئے انشائیہ نگار کے لئے اظہار کا نسبتاً مشکل کام محض اسلوب سے نہیں بلکہ اسلوب میں تخلیق نثر کے جوہر سے ہی آسان بن سکتا ہے اور صرف اس خوبی کی بناء پر انشائیہ ادب کی قلم رو میں داخل ہو سکتا ہے جب کہ خام نگاری اور غیر تخلیق تحریر کے ملاپ سے جنم لینے والا انشائیہ باذوق قاری کو یوں بد مزہ کر دیتا ہے کہ وہ جمیل اختر خان کے الفاظ میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے:

"نثری ادب کی تیسری جنس کا نام انشائیہ ہے"(۴)

بلکہ نسیم درانی یہ نتیجہ نکالتا ہے:

"انشائیہ ایک ایسا کبوتر ہے جسے اب تک اپنی چھتری کی پہچان نہیں ہوئی"(۵)

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ تخلیقی نثر کیا ہے تو جواب میں یہ عرض کیا جاسکتا ہے کہ جب نثر اپنے عمومی فریضہ یعنی وسیلہ اظہار سے بلند ہو کر "ترفع" کی سطح چھو لیتی ہے تو وہ تخلیقی نثر بن جاتی ہے ترفع کی سطع کو چھو لینے کا مطلب ہی یہ ہو گا کہ وہ بعض خصوصیات کی بناء پر عام نثر سے منفرد اور اس لئے بلند ہو گئی ہے۔ عام نثر صرف مطالب کی تفہیم سے صرف ذہن کو متاثر کرتی ہے جب کہ تخلیقی نثر ذہن کے ساتھ ساتھ قاری کے قلب واعصاب پر بھی گہرے اثرات ڈالتی ہے، یوں کہ مطالعہ کے بعد بھی اس نثر کی گونج سنائی دیتی رہتی ہے۔ شاید اس تجریدی تصوّر کو مثالوں سے زیادہ بہتر طور پر واضح کیا جاسکے چنانچہ اسے یوں سمجھے کہ میر امن نے "باغ وبہار" کا ترجمہ کیا لیکن نثر ایسی کہ اور یجنل مصنفین کو پیچھے چھوڑ گئے لہذا حیدر بخش حیدر ہی کے مقابلہ میں میر امن کی نثر کو تخلیقی نثر قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ عابد علی نے اسلوب کے نقط نظر سے میر امن "باغ بہار" کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ لکھا:

"شخصیت اسلوب کے روپ سروپ میں جلوہ گر ہو رہی ہے"(۶)

غالب کے خطوط اگر چہ ذاتی اور نجی حیثیت میں لکھے گئے تھے لیکن اپنی تخلیق نثر کی بنا پر وہ آج بھی زندہ ہیں سر سید کے مقابلہ میں محمد حسین آزاد اور حالی کے مقابلہ میں شبلی کی نثر کو تخلیق نثر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مہدی افادی کی نثر بھی تخلیق نثر ہے۔ بعد کی مثالوں میں ابو الکلام آزاد کا نام لیا جاسکتا ہے کہ بے حد معرب اور مفرس ہونے کے باوجود ان کی نثر میں ایک جمال ملتا ہے۔ اس طرح مولانا صلاح الدین احمد، محمد حسن عسکری، الغرض صاحبِ اسلوب نثر نگاروں کی نثر کو تخلیق نثر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی ضمن میں ان اہلِ قلم کے اسما نہیں لئے گئے جو افسانہ، ناول یا طنز و مزاح لکھتے ہیں اسلوب کے مقاصد اور انشائیہ میں اسلوب کے تقاضے ایک سطح پر نظر نہیں آتے۔

ان چند صاحبِ اسلوب نثر نگاروں کے عناصر ترکیبی کے تجزیہ سے ہمیں ان خصوصیات کا بھی علم ہو سکتا ہے جو عام نثر کو تخلیقی نثر کے بلند مقام پر لے آتی ہیں۔ میرے خیال میں ان سب میں ایک مشترک خصوصیت تو یہ ملے گی کہ یہ استعارہ سے خوفزدہ نہ تھے۔ اب استعارہ کا حال یہ ہے کہ بقول محمد حسن عسکری:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"ہم زبان سے جو فقرہ بھی کہیں اس میں بھولا ہوا اور زبردستی بھلایا ہوا تجربہ اور پوری عمر کا تجربہ پوشیدہ ہوتا ہے یعنی ہمارا ایک ایک فقرہ استعارہ ہوتا ہے۔ استعارے سے الگ "اصل زبان" کوئی چیز نہیں کیونکہ زبان خود استعارہ ہے۔ چونکہ زبان اندرونی تجربے اور خارجی اشیاء کے درمیان مناسب اور مطابقت ڈھونڈنے یا خارجی اشیاء کو اندرونی تجربہ کا قائمقام بنانے کی کوشش سے پیدا ہوتی ہے اس لئے تقریباً ہر لفظ میں ایک مردہ استعارہ ہے۔ اصل زبان یہی ہے۔"(۷)

اور اس کے ساتھ جب عابد علی عابد کی ان سطروں کو بھی شامل کر لیں تو بات کہاں سے کہاں تک پہنچتی ہے، جن کے بقول:

"استعارہ ہی۔۔۔۔ درحقیقت نوادر افکار کی دقیق ترین کیفیتوں کو پڑھنے والوں تک پہنچاتا ہے"(۸)

ادھر اپنے انشائیہ نگاروں کی اکثریت کا اسلوب بالعموم استعارہ کی قوت سے معرا نظر آتا ہے۔ اگرچہ تشبیہ سے بھی بات میں رنگ آجاتا ہے لیکن استعارہ سے نثر میں جو پر جمال توانائی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ محمد حسین آزاد کی نثر جو آج بھی ہم سب سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہے تو اس کا ایک سبب استعارہ سے ان کا خصوصی شغف بھی ہے۔ استعارہ کا اسلوب کی نفسیات سے جو گہرا تعلق ہے اس پر ہمارے ہاں اب تک غور نہیں کیا گیا۔

استعارہ اسی تخلیقی جست کا نام بھی ہے جو معلوم اور نامعلوم میں نیا اور ایسا جمالیاتی رابطہ پیدا کرتی ہے جو قاری میں ایک خاص نوع کے جذباتی رد عمل کا موجب بنتی ہے۔ یہ بھنورے کی مانند لفظ لفظ پر منڈلانے والی بات نہیں بلکہ شہد کی مکھی بن کر لفظ لفظ کا رس چوس کر اسے شہد تیار کرنے کے عمل سے مشابہہ ہے۔ جس طرح پھولوں سے دلچسپی کے باوجود بھنورا یا تتلی شہد نہیں تیار کر سکتی اسی طرح ہر نثر نگار اچھی نثر لکھنے کی باوجود، تخلیقی نثر لکھنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اسے خامی نہیں سمجھا جانا چاہیئے ہر شخص میں ہر کام کی صلاحیت نہیں ہوتی اور جس طرح شہد نہ بنانے کے باوجود بھنورے اور تتلیاں حسن گلشن کا باعث ہیں اسی طرح تخلیقی نثر نہ لکھنے کے باوجود ہر نثر نگار کی اپنی اہمیت ہے۔ نثر کے پیچھے خیالات بھی تو ہوتے ہیں اس لئے اگر کوئی تخلیقی نثر پر قادر نہیں ہے تو بھی گوارا ہے۔ جہاں

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

تک استعارہ کے نفسیاتی پہلو کا تعلق ہے تو اس ضمن میں محمد حسن عسکری نے پتہ کے بات کی ہے جو اپنے مقالے "استعارے کا خوف" میں رقمطراز ہیں:

> "استعارے کی پیدائش کا عمل وہی ہے جو خواب کی پیدائش کا، آدمی اپنے تجربات کو قبول بھی کرنا چاہتا ہے اور رد بھی، ان دو رجحانات میں سمجھوتہ سے صورت نکلتی ہے کہ تجربہ براہ راست تو ظاہر نہیں ہوتا، ہو بھی نہیں سکتا اس کے بجائے کوئی خارجی چیز تجربے کی قائم مقام بن جاتی ہے اسی عمل کے ذریعے چاہے خواب وجود میں آئے چاہے استعارہ، اس میں ہمارے شعور، ذاتی لاشعور، اجتماعی لاشعور احساس، جذبے اور خیال کے ساتھ ساتھ ہمارے گرد و پیش کا وہ حصہ بھی شامل ہو گا جو ہم اپنے اندر جذب کر لیا ہے لہذا استعارے کی تخلیق کے لئے آدمی میں دو طرح کی ہمت ہونی چاہیئے ایک تو اپنے لاشعور سے آنکھیں چار کرنے کی دوسری اپنی خودی کی کوٹھڑی سے نکل کر گرد و پیش سے ربط قائم کرنے کی "(۹)

اس معیار پر بیشتر انشائیہ نگاروں کی نثر کا مطالعہ کرنے پر یہ حقیقت ششدر کر دیتی ہے کہ ان کا اسلوب استعارہ سے تہی داماں ہے۔ کہیں بھولے بھٹکے سے کوئی استعارہ آجائے تو اور بات ہے ورنہ بے آب و گیاہ میدان میں مسافر ریل کی مانند ان کی نثر کی گاڑی چلی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ استثنائی مثالوں سے قطع نظر بیشتر انشائیہ نگاروں کا اسلوب نثر کے جمالیاتی اوصاف سے معرا نظر آتا ہے اور ایسے ہی نثر نگاروں کے بارے میں محمد حسن عسکری نے کیا اچھی بات کہی ہے۔

> "اگر لکھنے والا استعارے بالکل ہی نہیں استعمال کرتا یا بہت ہی کم استعارے استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے تجربے کا بس تھوڑا سا حصہ قبول کر سکا ہے اور نئے تجربات حاصل کرنے کی صلاحیت تو اس میں بالکل نہیں رہی۔ ایسی حالت میں وہ کچھ نہ کچھ لکھ تو لے گا لیکن بس حالی بن کر رہ جائے گا۔"(۱۰)

استعارے سے خوف کی نفسیاتی توجیہ کے ضمن میں بھی حسن عسکری نے ایک کام کا نکتہ یہ سمجھایا ہے:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"۔۔۔۔۔جو لوگ استعارے سے جھجکتے ہیں وہ دراصل زندگی کی قوتوں سے ڈرتے ہیں چونکہ ان میں تجربے کی نئی حقیقتوں کو اپنے اندر جزب کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اس لئے وہ ہر قسم کی غیر منطقی باتوں کی طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہیں اور استعارہ تو لازمی طور پر اپنے ساتھ غیر منطقی اور بعید از فہم تجربات کھینچ کر لاتا ہے لہذا استعارہ واقعی ڈرنے کی چیز ہے"(۱۱)

میں آج تک یہ نہ سمجھ سکا تھا کہ پاکستان کے بیشتر انشائیہ نگار تیخّر ذہن کے کیوں حامل ہیں اور وہ عمر بھر کیوں ایک ہی پتھر کی لکیر بنتے رہتے ہیں۔ مگر محمد حسن عسکری کی یہ سطریں پڑھنے پر یہ نکتہ روشن ہوا کہ ہمارا انشائیہ تو خوف زدہ ادیبوں کی خندق میں تبدیل ہو رہا ہے، ایسے خوف ذدہ ادیب جن کا زندگی کا مشاہدہ برائے نام ہے جن کی شخصیت تخلیق توانائی سے عاری ہو کر محض راکھ بھری انگیٹھی میں تبدیل ہو چکی ہے اور جو اپنے سپاٹ اسلوب کو " لطیف " قرار دینے پر مُصر ہیں اور اسی لئے وہ اس اساسی حقیقت کو فراموش کر کے پلپلے اسلوب میں دھڑا دھڑ انشا ئیے لکھے جا رہے ہیں میں اسی صورت حال کے باعث معرض وجود میں آنے والے انشائیے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے معلوم ہوتے ہیں سپاٹ اسلوب کے نیچرے میں مقید ایک ہی نسل کے طوطا مینا۔ بیشتر انشائیوں کے مطالعہ سے جو ایک خاص نوع کی تکرار پیدا ہو کر اکتاہٹ کی موجب بنتی ہے تو اسی کی متنوع وجود میں سے ایک وجہ غیر تخلیق نثر بھی ہے۔ انشائیہ کو نواہی کے جس کھونٹے سے باندھ دیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اگر وہ ممیاتی بکری بن چکا ہے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہے۔ جہاں تک انشائیہ کی غیر تخلیق نثر اور اس کے نتیجہ جنم لینے والے بے جان اسلوب کا تعلق ہے تو اس کی نمایاں ترین مثالیں ایک خاص گروہ کے انشائیہ نگاروں کے ہاں ملاحظ کی جا سکتی ہیں، چنانچہ اسی گروہ کے نمایاں انشائیہ نگاروں کے اسلوب میں کوئی ایسی خصوصیت نظر نہیں آتی جسے ان کی انفرادیت کا جوہر اور تخلیقی شخصیت کا ثمر قرار دے کر مابہ الامتیاز قرار دیا جا سکے اور اس کی بہت سی وجود میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ان تحریر وں کو طنز و مزاح قرار دے کر الگ خانہ میں فٹ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کی یہ انشائیۓ دیگر جرائد میں طبع ہونے والے انشائیوں سے اپنے اسلوب کی انفرادیت کے باعث پہچانے جاتے ہیں جب کہ بھارت میں ایسا نہیں اور وہاں کا ہر انشائیہ نگار رسالہ کے ایڈیٹر کے اسلوب کی نقالی کی بجائے اپنی تخلیقی اپج سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے اور اسی لئے بہ حیثیت مجموعی وہاں کے انشائیہ نگار کھلی فضا میں سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں پیوست اور

گھٹن کے بر عکس وہاں نگاہ کی تازگی کے ساتھ ساتھ اسلوب کی تراوٹ کا بھی احساس ہو تا ہے جب کہ ہمارے ہاں جو یکسا نیت کا عالم ہے اس کا انداز ہ لگانے کے لئے مندرجہ ذیل انشائیہ ملا حظ فرمائے:
"دسمبر مجھے سب مہینوں سے عزیز ہے تو اس کی کچھ وجوہات بھی ہیں مثلاً یہی دیکھیے کی جنوری اور فروری کے مہینے نسوانی ناموں سے عبارت ہیں لیکن دسمبر کے نام میں مردانہ پن موجود ہے پھر اس کی آمد کسی مسکین طبع آداب عرض قسم کے مہینے کی طرح نہیں ہوتی کہ کوئی نوٹس ہی نہ لے بلکہ یہ پورے تزک واحتشام اور وجاہتِ مردانہ کے ساتھ آتا ہے اور لوگوں سے اپنا قیام فاتحانہ شان سے تسلیم کرواتا ہے۔ کمزور ہڈی کے لوگ تو اس کی پہلی یلغار پر ہی اس کے آگے سپر ڈال دیتے ہیں اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے کمبلوں اور رضائیوں اور صدریوں میں قلعہ بند ہو جا تے ہیں اس قسم کے لوگ دسمبر کی فتوحات کو خندہ پیشانی سے قبول نہیں کرتے بلکہ پہلے اپنے گھر کی مشرقی کھڑکی کا صرف ایک پٹ کھول کر اس کی جارحانہ قوتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ یقیناً سردیوں کے موسم کا موحول طوفان خیز اور تند ہواؤں کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا خصوصی طور یہ پر ضروری نہیں کہ برف باری بھی ہو یا زبردست پالا بھی پڑے یا اس قدر تند ہوا ہو کہ (بقول کسے) آپ ھیمے کی طرح اس کا سہارا لے کر کھڑے ہو سکیں صرف بارش ہو تو کافی ہے بشر طیکہ بارش موسلا دھار ہو بہر حال موسم کا طوفانی ہونا ضروری ہے کسی صورت بھی ہوا اور اگر ایسا نہ ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے ساتھ بہت ذیادتی ہوئی ہے کیونکہ اگر میری خواہش کے مطابق موسم طوفانی نہیں تو میں کوئلے اور موم بتیوں پر اتنا ذیادہ خرچ کیوں کروں اتنی رقم کے عوض تو کینیڈا یا روس میں پڑنے والی سردی ملنی چاہے جہاں ہر شخص شمالی سرد ہواؤں سے مکمل طور پر لطف اندوز ہو سکتا ہے اس سلسلے میں بعض خارجی حالات وواقعات بھی خاصے اہم ہیں میرا اپنا یہ حال ہے کہ اگ تانپے کے لئے اس روز کا منتظر رہتا ہوں جب سرما کا پہلا بادل بڑے بڑے سیاہ لحافوں کی صورت بساطِ فلک پر پھیل جاتا ہے اور یہ لحاف کاررواں در کارواں گرج اور چمک سے نا آشنا کسی محبوبہ کی آنکھوں کی طرح دھیرے برستے افق مشرق کی طرف اڑ کے چلے جاتے ہیں اور سردی کی ایک تیز لہر موئے بدن کی تہہ تک اُترنے لگتی ہے جب میں علی الصبح دھند لکے کی چادر اوڑھ کر زیتون کے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو تا ہوں تو اسی وقت میں بے معنویت کی دنیا سے نکل کر معنویت کی فضا میں داخل ہو جاتا ہوں بے کیف اور اکتا دینے والے ماحول سے نکل کر طور سینا کی پُر کیف وادی میں سبک خرامی کرتا ہوں تفکرات واضطرات کے بستر سے اُٹھ کر سبز جھیل کے پانیوں میں غسل کرتا ہوں "نہ ہونے" کی کیفیت سے نجات پا کر ہونے کی حالت میں پہنچ جاتا ہوں

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

سبز رو پہلی دنیا میں پہنچ کر میں اپنے تمام شعور و آگہی کو کائنات کے لامتناہی شعور کے ساتھ ہم آہنگ پاتا ہوں پھر جب زرد تمازت ان گنت تیروں کی یلغار خنک دھند لاہٹ کی چادر کو تار تار کر دیتی ہے تو میں اپنے جسم پر لاتعداد سوئیوں کو چبھتا محسوس کرتا ہوں سورج ذرا فق سے بلند ہو گیا تھا لیکن لاکھوں میلوں کے بعد کے باوجود اس قدر قریب نظر آرہا تھا کہ میں اگر ذرا بڑھ کر اسے پاؤں سے ایک ٹھوکر لگاتا تو شاید وہ فٹ بال کی طرح لڑھکتا ہوا کہیں سے پہنچ جاتا لیکن اس شدید قرب کے احساس کے ساتھ کائنات کی وسعت کا احساس بھی ہم آہنگ تھا مجھے محسوس ہوتا تھا گویا میں خود اپنے محور سے دور ہٹ رہا ہوں گویا یہ اشیاء میرے قریب نہیں آرہے ہیں بلکہ میں خود پھیلتا ہوا ان سے ہمکنار ہو رہا ہوں دیگر موسموں کی طرح دھوپ کا بھی ایک موسم ہوتا ہے دھوپ کا یہ موسم چپکے سے آتا ہے اور اسی خموشی سے گزر جاتا ہے اس میں پھول بھی کھلتے ہیں کلیاں بھی چٹکتی ہیں درخت سبز جامے بھی اوڑھتے ہیں اور فطرت کا بھی رحم ہاتھ ان سے شگوفے اور کلیاں چھین بھی لیتا ہے لیکن اس سے دھوپ کے حسن اور پر کاری میں کوئی فرق نہیں پڑتا جس دھوپ کا ذکر میں کر رہا ہوں وہ ایک ایسی پر مسرت کیفیت کا نام ہے جو ہر صبح آپ کے دروازے پر دستک دیتی ہے اور جب آپ دروازہ کھولتے ہیں تو کسی تکلیف کے بغیر اندر آجاتی ہے جب خارجی ماحول یہ صورت اختیار کرے تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ آگ تاپنے کا موسم قریب آرہا ہے لیکن بعض ناتجربہ کار حضرات کی طرح میں اس بارے میں عجلت پسندی کا شکار نہیں ہوتا اور چونکہ اس پن کے مقتضیات سے کماحقہ، آشنا ہوں لہٰذا فوراً جلتی آگ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اس قیمتی کیفیت کو کند نہیں ہونے دیتا جو آگ کے ہر پر خلوص پرستار کو زود یا بدیر حاصل ہوتی ہے مارکو پولو سے اب تک یہ روایت چلتی آتی ہے کہ سردیوں کے رات میں جب کوئی دلچسپ داستان آرائش محفل بننے لگتی ہے تو سامعین اپنے بستروں میں گھس جاتے ہیں اور پھر انہماک کا وہ مرحلہ آتا ہے جب داستان گو اور سامعین کے جھرمٹ میں فرق مشکل ہو جاتا ہے۔"

کیا آپ یقین کریں گے یہ "انشائیہ " انشائیہ نگاروں کے خاص گروہ کے سات انشائیوں کے آٹھ اقتباسات سے ترتیب دیا گیا ہے میں نے فقرات کی ترتیب نہیں بدلی۔ میں نے اپنی طرف سے کمی بیشی بھی نہیں کی اور اس تمام "انشائیہ " میں ایک لفظ بھی میرا نہیں ہے گزشتہ بیس برس کے دوران لکھی گئی ان انشائیوں کے اسلوب میں کتنی یکسانیت ہے کہ ایک کی سطر دوسرے کی سطر میں پیوست ہوتی جاتی ہے اور کیا مجال کہ پڑھنے میں کہیں بھی

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

جھٹکا لگے۔ پاکستان میں اگر انشائیہ غیر تخلیقی اذہان کی نقاب پوشی کے کام آرہا ہے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ ایسی تکرار اور یکسانیت والے اسلوب کے حامل انشائیہ نگاروں سے اور کس بات کو توقع ہو سکتی ہے۔

استعارے کے بعد تشبیہ، ترکیب تراشی، امیجری وغیرہ بھی نثر کو تخلیقی بنانے میں خاصا اہم کردار ادا کر سکتی ہیں لیکن یہ سب حسنِ نثر کے ٹیکنیکل پہلو ہیں اور شعوری کاوش سے بھی انہیں نثر میں کلی پھندنوں کی طرح ٹانکا جا سکتا ہے۔ ان سب کے باوجود اگر تخلیقی شخصیت کی داخلی توانائی نہ ہو تو بات نہ بنے گی کہ وہی ان تمام منتشر عناصر کو وحدت میں صورت پذیر کر دیتی ہے۔ صورت پذیری کا یہ عمل۔۔۔ جو تخلیقی عمل کا اہم ترین حصہ ہے ان منتشر اور اپنے انفرادی صورت میں آزاد عناصر کو یوں قلب ماہیئت کرتا ہے کہ یہ اپنے انفرادی حیثیت سے بڑھ کر جب تخلیق وحدت میں شامل ہو جاتے ہیں تو کچھ اور ہی بن جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں لفظ محض لفظ نہیں رہتا۔ تشبیہ محض تشبیہ نہیں رہتی۔ استعارہ محض استعارہ نہیں رہتا۔ چنانچہ یوں معرض وجود میں آنے والا کیٹالسٹ اپنے داخلی توانائی کی بناء پر دھڑکتا محسوس ہوتا ہے اور یہی تخلیقی نثر کا جوہر ہے۔

انشائیہ کے ضمن میں بعض اوقات ادبِ لطیف اور انشائے لطیف کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ ادبِ لطیف اردو ادب کے اس دور کی یادگار ہے جب نثر میں حسن کاری کو اساسی اہمیت دی جاتی تھی۔ سجاد حیدر یلدرم اور نیاز فتح پوری اسی انداز نگارش کی نمائندہ مثالیں ہیں۔ حسن کاری پر مبنی اندازِ نگارش اور ٹیگور کے طرز احساس کے ملاپ نے "ٹیگوریت" کو جنم دیا۔ ڈاکٹر عبدالودود خاں نے اپنی کتاب "اردو نثر میں ادب لطیف" میں اسی رجحان کی تاریخ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس ضمن میں انشائیہ کا بطور خاص تذکرہ نہیں کیا لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ ادب لطیف کے ذیل میں آنے والے بعض تحریروں کو وہ انشائیہ سمجھتے ہیں، مثلاً مہدی افادی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> "اسلوب کے حسن کی وجہ سے ادبِ لطیف کے انشائیوں اور افسانوں کی طرح مہدی افادی کی تنقید کو بھی ادبِ لطیف میں شامل کرنا چاہیئے۔"(۱۲)

اسی طرح ایک اور موقع پر بھی انہوں نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے:

> " ادبی لطیف کے مصنفین کے انشائیوں اور افسانوں میں اسلوب کی جوہر آفرینی، تراکیب کی شگفتگی اور الفاظ کی میناکاری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں فنی لوازمات کا کس قدر لحاظ رکھا جاتا تھا۔"(۱۳)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

جہاں تک انشائیہ کے نثر میں حسن کاری کا تعلق ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہ ہو گا کہ انشائیہ نگار خوبصورت نثر نہ لکھے اور نثری حسن کاری میلان کسی نہ کسی طور پر ملتا رہا ہے انشائیہ سے قطع نظر دیگر اصناف نثر میں بھی، لیکن ادبِ لطیف لکھنے والے خوبصورت الفاظ سے جن جذبات احساسات اور ہیجانات کو مرتعش کرنا چاہتے تھے ان کا انشائیہ کی تدبیر کاری سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔

ادب لطیف حسن برائے حسن کے ایک ایسے تصور کی حتمی پیداوار تھا جو اگرچہ بادی النظر میں تو بہت سہانا نظر آتا تھا لیکن تھا در حقیقت وہ خالی ڈھول، اور پھر سو باتوں کی ایک بات یہ کہ ٹیگور جیسی بے پناہ تخلیقی شخصیت کہاں سے لاتے، نتیجہ یہ نکلا کہ ہر بوالہوا اس نے حسن پرستی شعار کی تو نتیجہ ایسی تحریروں کی صورت میں نکالا:

> "مجھے حیرت ہوتی ہے۔۔۔۔ انسان کے تعلقات پر جو کبھی قائم ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ اور کبھی ٹوٹ جاتے ہیں۔۔۔۔ میں ایک معصوم بچے کی طرح ۔۔۔۔ ڈرتا ہوں۔۔۔۔ تعلقات سے جو اپنی صبح اولیں سے لیکر شام آخر تک۔۔۔۔۔۔ ایسے مبہم رہتے ہیں جیسے فہمیدہ راز۔۔۔۔۔۔"(۱۴)

لطیفی اچھے شاعر تھے اور اسی زندہ شعر کے خالق:

والبستہ تیری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا (۱۵)

"انسانی تعلقات" کو اگر انہوں نے "۔۔۔۔۔۔۔۔" کے بغیر لکھا ہوتا تو شاید اس موضوع پر ایک اچھا انشائیہ لکھ لیتے لیکن نثر کو Emotional بنانے کی دھن میں جس طرح نثر کے فطری آہنگ کو "۔۔۔۔۔۔۔۔" سے توڑا جاتا تھا اور جس طرح "آہ" اور "!!!!" استعمال کیا جاتا تھا جلد ہی اس کے خلاف شدید ردِ عمل کا آغاز ہو گیا۔

ادبِ لطیف یا انشائے لطیف کا موجودہ پہلی دہائی سے آغاز ہوا اور ٹیگور کی "گیتا نجلی" کے اردو ترجمہ (از نیاز فتح پوری) سے اس نے مزید مقبولیت حاصل کی مگر دوسری دہائی میں اس کے خلاف ردِ عمل کا آغاز بھی ہو گیا۔ چنانچہ ۱۹۲۶ میں علی گڑھ سے سہ ماہی "سہیل" کا اجرا ہوا تو اس کے پہلے شمارے کے اداریے میں رشید احمد صدیقی نے اعلان کر دیا کہ اس میں ادب لطیف کے قسم کا کوئی مضمون جگہ نہ پا سکے گا۔ انہوں نے لکھا:

> "سہیل میں اس قسم کے مضامین راہ نہ پا سکیں گے جن کو آج کل عرف عام میں ادبِ لطیف بتایا گیا ہے ادبِ لطیف اور ٹیگوریت نے سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اس نے الفاظ

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے ایک چیستان مقرر کر دی ہے جس کے سمجھنے یا ان سے مستفید ہونے کے لئے ضرورت سے زیادہ عقل و دماغ یا دقیق جذبات کی ضرورت ہے یہ صنف انشاء ہمارے ان نوجوانوں میں بہت مقبول ہے جو ادب کو بھی صبحِ بنارس اور شام اودھ تصور کرتے ہیں۔"(۱۶)

رشید احمد صدیقی کی یہ تنہا آواز نہ تھی کیونکہ ادب لطیف عروج کے دن لد گئے تھے چنانچہ اس احتجاج میں مزید آوازیں بھی شامل ہوئی گئیں، حتیٰ کہ ۱۹۳۶ میں جب ترقی پسند ادب تحریک کے زیر اثر خارجیت، حقیقت نگاری اور واقعیت نگاری کے تصورات نے فروغ پایا تو ادبِ لطیف اپنی موت مر گیا۔

حوالہ جات

(۱) محمد حسن عسکری، ستارہ یا بادبان، مکتبہ سات رنگ، کراچی ۱۹۶۳، ص ۲۶

(۲) سید عابد علی عابد، اسلوب، مجلس ترقی اداب، لاہور ۱۹۷۱، ص ۵۰)

(۳) سجاد باقر رضوی، انشائیہ اور اہل قلم، مشمولہ انشائیہ کی بنیاد، ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور، ص ۳۷۳

(۴) جمیل اختر خان، ماہنامہ، فنون، لاہور، نومبر ۱۹۸۵، ص ۷۵

(۵) نسیم دورانی، ماہنامہ، فنون، لاہور، نومبر ۱۹۸۵، ص ۷۵

(۶) سید عابد علی عابد، اسلوب، مجلس ترقی اداب، لاہور ۱۹۷۱، ص ۷۷

(۷) محمد حسن عسکری، ستارہ یا بادبان، مکتبہ سات رنگ، کراچی ۱۹۶۳، ص ۳۶

(۸) سید عابد علی عابد، اسلوب، مجلس ترقی اداب، لاہور ۱۹۷۱، ص ۱۹۷

(۹) محمد حسن عسکری، ستارہ یا بادبان، مکتبہ سات رنگ، کراچی ۱۹۶۳، ص ۲۷

(۱۰) ایضاً، ص ۲۹

(۱۱) ایضاً، ص ۳۴

(۱۲) مہدی آفادی،، ماہنامہ، فنون، لاہور، نومبر ۱۹۸۵، ص ۷۹

(۱۳) ایضاً، ص ۷۹

(۱۴) حسن لطیفی، انسانی تعلقات، مشمولہ، ماہنامہ، فنون، لاہور، نومبر ۱۹۸۵، ص ۸۰

(۱۵)ایضاً، ص ۸۰

(۱۶)رشید احمد صدیقی،، ماہنامہ، فنون، لاہور، نومبر ۱۹۸۵، ص ۸۰